خدا کی پہچان: صرف مشکل میں نہیں، آسانی میں بھی

اکثر یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ لوگ تکلیف کے لمحات میں خدا کو سب سے زیادہ شدت سے یاد کرتے ہیں۔ جب کوئی آفت آن گھیرے، صحت جواب دے جائے یا مال و دولت چھن جائے، تو ہم فطری طور پر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے خود اس انسانی رویے کی منظر کشی کی ہے کہ انسان مصیبت میں اپنے رب کو پکارتا ہے، چاہے اس سے پہلے وہ کتنا ہی غافل کیوں نہ رہا ہو:

> "انسان کا معاملہ یہ ہے کہ جب اُس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو وہ لیٹے، بیٹھے یا کھڑے، (ہر حال میں) ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اُس کی تکلیف ہم اُس سے ٹال دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے گویا جو تکلیف اُسے پہنچی، اُس میں کبھی اُس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔" (یونس 12:10)

تاہم، اکثر اوقات یہ رجوع حقیقی پہچان یعنی معرفت کی بجائے بے بسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس نے خوشحالی کے دور میں اپنے دل کو حالات کے پیچھے خدا کا ہاتھ ماننے کی تربیت نہ دی ہو، وہ تنگی میں بھی اسے صحیح معنوں میں نہیں پہچان پاتا۔ ایسے میں آزمائش کے دوران اٹھنے والی پکار شکووں اور سوالوں سے بھرپور ہوتی ہے: "میں ہی کیوں؟ اور ابھی کیوں؟" یہ عموماً ایمان کی آواز نہیں بلکہ محض اضطراب کی پکار ہوتی ہے۔

آسانی: ایک فراموش کردہ آزمائش

خدا کی پہچان کا اصل امتحان صرف مشکل میں نہیں، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر آسانی میں چھپا ہے۔ آرام و سکون، صحت، دولت اور تحفظ ہمیں اتنے فطری لگنے لگتے ہیں کہ ہم انہیں اپنا **استحقاق** (Entitlement) سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی بھی چیز کے حقدار نہ تھے، اور یہ کہ ان گنت لوگ ان نعمتوں کے بغیر جی رہے ہیں۔ جس طرح ایک بچہ جو مخصوص آسائشوں کے بغیر پیدا ہوا ہو، وہ انہیں تب تک یاد نہیں کرتا جب تک دوسروں کو ان سے لطف اندوز ہوتے نہ دیکھ لے، بالکل اسی طرح وہ تمام تعیشات جنہیں ہم زندگی کی ناگزیر ضرورت سمجھ لیتے ہیں، درحقیقت ہم پر کی گئی عنایات ہیں۔

امام غزالیؒ نے 'احیاء العلوم' میں اس بات پر زور دیا ہے کہ شکر گزاری کا آغاز اس احساس سے ہوتا ہے کہ: "میرا اپنا کچھ نہیں، میں کسی چیز کا حقدار نہیں، جو کچھ میرے پاس ہے وہ محض عطا ہے۔" اگر آسائش اور فراخی کے وقت یہ احساس مفقود ہو، تو آزمائش آنے پر ہمارے پاس وہ روحانی بصیرت (Spiritual lens) ہی نہیں ہوتی جو ہمیں ان مشکلات میں چھپی خدائی حکمت دکھا سکے۔

شکر: معرفت کا دروازہ

قرآن کا آغاز خوف سے نہیں بلکہ شکر سے ہوتا ہے: "الحمدللہ رب العالمین" (تمام تعریفیں اور شکر اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)۔ شکر ہی عبادت کی بنیاد ہے، کیونکہ یہ انسان میں عاجزی پیدا کرتا ہے — اس بات کا اعتراف کہ میں خود کفیل نہیں ہوں اور ہر وہ آسانی جس سے میں لطف اندوز ہو رہا ہوں، ایک ایسی نعمت ہے جو میرا استحقاق نہ تھا۔

چنانچہ آسانی میں خدا کو پہچاننا پہلا قدم ہے۔ یہی وہ احساس ہے جو انسان کو تکبر، استحقاق پر مبنی سوچ اور غفلت سے بچاتا ہے۔ یہی وہ پہچان ہے جو ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم آزمائشوں کو سزا کے بجائے ترقی، تطہیرِ نفس اور قربِ الٰہی کا ایک ذریعہ سمجھیں۔

آزمائش: استقامت اور صبر کی درسگاہ

اگر آسانی 'شکر' کی درسگاہ ہے، تو مشکل 'استقامت اور صبر' کی درسگاہ ہے۔ آزمائشیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کیا وہ شکر جو ہم خوشحالی میں ادا کرتے تھے، واقعی سچا تھا؟ یہ ہمیں وہم کی دنیا سے نکالتی ہیں اور پرکھتی ہیں کہ کیا ہمارا ایمان حالات کے تابع ہے یا اللہ کی حکمت پر ہمارے بھروسے کا نام ہے۔

تاہم، سبق وہی رہتا ہے: آسانی کے وقت خدا کو پہچاننا سیکھے بغیر، انسان مشکل کے وقت اسے صحیح معنوں میں نہیں پہچان سکتا۔ بے بسی کی پکار بلند تو ہو سکتی ہے، مگر وہ اکثر کھوکھلی ہوتی ہے — جس میں تسلیم و رضا کے بجائے شکوے بھرے ہوتے ہیں۔ سچی معرفت اس پکار کو توکل میں بدل دیتی ہے: "میرا رب جانتا ہے، میرا رب دیکھ رہا ہے، میرا رب رحیم ہے، یہاں بھی اور اس حال میں بھی۔"

حاصلِ کلام

آسانی وہ مقام ہے جہاں معرفت کی آبیاری کی جاتی ہے، اور آزمائش وہ مقام ہے جہاں اس کا امتحان لیا جاتا ہے۔ درد کی شدت میں کوئی بھی بے بس ہو کر پکار سکتا ہے، لیکن صرف وہی لوگ مشکل میں اللہ کی حکمت دیکھ پاتے ہیں جنہوں نے آسانی میں اس کی رحمت کو پہچاننے کی مشق کی ہو۔ خوشحالی میں شکر دل کو عاجزی سکھاتا ہے، اور تنگی میں صبر روح کو مضبوط کرتا ہے۔ مل کر یہ ایک مومن کے دو متوازن اور ہم آہنگ ردِّ عمل بن جاتے ہیں جو اپنے رب کو گہرائی کے ساتھ پہچانتا ہے۔